آسمان کی تاریکی زمین کے نور پر حاوی ہوتی جارہی تھی۔ گرجتے بادلوں کی چمکتی بجلیاں، انسانوں پر آسمانی طوفان کی ہیبت طاری کررہی تھیں۔ جہازوں کے بادبان پھڑپھڑا رہے تھے اور جہاز رانوں کے دل...... ایسے طوفانوں میں جہاز ران، اللہ کی پناہ مانگا کرتے ہیں...... ایسے طوفانوں میں زمین کے مسافر پناہ گاہ ڈھونڈا کرتے ہیں......

زمین کے مسافر...... مشقت سے خود کو آگے بڑھاتے اور ہوا کی طوفانی قوت انہیں گھسیٹ کر پیچھے لے جاتی تھی۔ وہ اپنا مال، اسباب مشکل سے سمیٹے ہوئے تھے، اپنے چوغے، سر کے عمامے اور ''منزل'' کی سمت......

منزل جو انہیں زمانوں تک لے جانے والی ہے...... ان کا ذکر آسمانوں سے زمین پر آنے والا ہے......

سرزمین بنی اسرائیل کے تین مسافر......

سمیرا حمید

اسمِ اعظم

''وہ سامنے چٹان میں پناہ دکھائی دیتی ہے، ہمیں اس غار میں چلنا چاہیے۔''

ان میں سے ایک نے نشان دہی کی اور وہ تینوں چٹان کی سمت چل پڑے۔

غار کا دہانہ چھوٹا تھا اور غار بھی۔ انہیں کھڑا ہونے میں مشکل تھی، انہیں بیٹھ جانے میں مشکل تھی، انہیں کمر ٹکا لینے میں بھی مشکل ہوتی۔ پہاڑ کی نوکیلی شاخیں ان کے ہر عمل میں مانع تھیں۔ انہیں طوفان کے رکنے اور روشنی کے نمودار ہونے تک یہاں رکنا تھا۔ وہ اپنے قصے کہانیاں شروع کرتے تو شاید غار بھی ان سے مانوسیت پیدا کرلیتا اور وہ پناہ گاہ سے آرام گاہ میں بدل جاتا۔

''اللہ مسافروں پر رحم کرے، انہیں روشنی، راہنما اور پناہ میسر کرے......'' ایک مسافر نے ان مسافروں کے لیے دعا کی جو طوفان سے نبرد آزما ہوں گے اور پناہ گاہ سے دور۔

''مسافر کا سفر بعد میں شروع ہوتا ہے اور زادِ راہ کا انتظام پہلے ہی ہوجاتا ہے۔ سر چھپانے

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog Kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

کے لیے اس غار کا دکھائی دے جانا اتفاق نہیں معجزہ ہے......" دوسرے مسافر نے کہا جو ان میں سب سے زیادہ بردبار اور عاجز معلوم ہوتا تھا۔

"معجزوں کے سب سے زیادہ گواہ مسافر ہی تو ہوتے ہیں......"

"معجزے سب سے زیادہ مسافروں کے ساتھ ہوتے ہیں، ایسے کہو۔" تیسرے مسافر نے کہا، اور دونوں نے تائید کی۔

"اللہ کو سفر پسند ہے، حالت سفر پسند ہے، عملی، باطنی، روحانی، اعمال سفر پسند ہیں۔ عالم ارواح سے عالم جہاں، عالم جہاں سے عالم سزا و جزا...... سفر در سفر......"

سفر در سفر...... مسافت در مسافت...... منزل در منزل......

جیسے تیسے تینوں بیٹھنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ غار کی اجنبیت البتہ قائم رہی۔ آسمان کی روشن منتشر لہریں، ان کی پناہ گاہ کو روشن کرتی رہیں۔ ان کی باتیں ابھی حکایتوں اور روایتوں کی طرف مبذول ہوا ہی چاہتی تھیں کہ طوفانی ہواؤں اور بادلوں کی زوردار گرج کے درمیان انہیں کسی وزنی چیز سرکنے کی گونج سنائی دی، وہ چونک کر اٹھے جیسے پہاڑ زمین میں دھنس جانے والا ہو کہ آسمانی بجلی سے جلتا بجھتا غار، شعلے کی طرح جل کر بجھ گیا...... گھپ بحر میں کود گیا...... وہاں کی تاریکی غار کی زندگی پر غالب آئی۔ چٹان کی بلندی سے لڑھکتا کر گرا ایک بڑا پتھر غار کے منہ کو بند کر گیا......

اب تک ان کی زندگی میں تاریکی ایک "لفظ" رہی تھی اور اب یہی لفظ پورا کلام بن کر ان پر وارد ہوا تھا...... تاریکی کچھ ایسی شکل میں بیان ہوئی تھی جیسے سارا جہاں روشنی گل کر بیٹھا ہو...... بستی بستی دنیا سارے گلستاں لٹا بیٹھی ہو...... زندگی ایسے غاروں کے تابوت میں آنکھ کھولے تو موت کو آستین کا سانپ سمجھتی ہے...... زندگی کی بہادری پر بزدلی کا وار...... پیٹھ میں خنجر......

"والدہ......" منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "اس ضعیف پر کیسا قہر ٹوٹے گا۔" خیال آیا۔

کئی ساعتیں گزر گئیں اور انہیں یہ سمجھنے میں کچھ ہی وقت لگا کہ پتھر نے غار کا دہن مکمل طور پر بند کر دیا ہے۔ یہاں سے باہر جانے کے لیے انہیں اس پتھر کو گرانا ہوگا۔ تینوں نے اپنی ہمت کو طاقت کیا اور پتھر پر ہاتھ جما کر اسے کھسکانا شروع کیا۔ لیکن وہ تو منتد تھے اور پتھر بیخ...... جہاں گرا وہیں نصب ہو گیا۔ جیسے چٹان کا حصہ اور کھوہ کا ہم زاد ہو۔ ہاتھوں کے بعد انہوں نے اپنی پشتیں پتھر کے ساتھ جوڑ دیں اور قوت لگانے لگے۔ ان کی سانسیں کھنچ گئیں، رگیں تن گئیں، پشتیں تو کیلے کناروں سے چھل کر خون آلود ہو گئیں لیکن پتھر اپنی جگہ پر قائم رہا۔ عمامے اتار کر، ہتھیلیوں پر لپیٹ کر انہوں نے اپنی جان لگا دی لیکن غار کے دہن سے لگی چٹان نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔

آسمان...... یہ مشیت ایزدی کا راز دار ہے......

آسمان...... یہ احکامات کا قرب دان ہے......

انہیں اس آسمان کو ایک نظر دیکھنے کی تمنا شدت سے ہوئی۔ وہ اپنے اندر ایسی قوت جگا چکے تھے جو آج سے پہلے کبھی نہیں جگا پائے تھے۔ انہیں یہ خیال بھی آتا رہا کہ وہ اس زمین کے نہیں اس جہان کے مسافر ہیں، ایک پتھر انہیں قید نہیں کر سکتا۔ ایک چٹان ان کی حیات کو بے خبری میں تہہ و بالا نہیں کر سکتی۔ غار کے اندھیرے میں سر اٹھا کر دیکھا تو آسمان دکھائی دیا۔ وہی آسمان جو بچپن میں دکھائی دیتا تھا، جب وہ مٹی سے کھیلا کرتے اور یہ یقین رکھتے کہ خدا صرف آسمانوں میں رہتا ہے۔

"یہ اندھیرا ہماری بینائی پر غالب ہے لیکن یہ ہمیں اللہ سے پوشیدہ نہیں کر سکتا، وہ ہمارا مددگار ہے۔" کم عمری میں بے ریا دل اور معصوم نظروں سے اللہ کو دیکھنے والے نے، اس کی ہر قدرت کا اعلان کیا۔

"بے شک! لیکن پتھر بے زبان ہے اور بہرا بھی، وہ ہمارے ہاتھوں کی التجا اور دلوں کا کلام

سمجھنے سے قاصر ہے۔"

"ہم اس چٹان پر اپنی طاقت آزما چکے ہیں......"

وقفے وقفے سے کئی بار کوشش کرنے کے بعد وہ اس یقین پر قائم ہو گئے کہ پتھر کھسکانا ان کے بس میں نہیں۔ تو بہر خاموش تھا اور طاقت کا زور ختم ہو چکا تھا۔ تو کیلی دیواروں سے پشت جوڑ کر بیٹھے انہیں سرسبز بستیاں یاد آئیں، بہتے پانی، لہلہاتے کھلیان، جھلمل سنہری بالیاں، صبح صادق کی خوش نمائی اور اس میں مخلوق خدا کی چہکاریں......

انہیں اپنے اہل و عیال یاد آئے، ان کی ہنسی، ان کی باتیں، ان کی چمکتی آنکھیں، زوجہ کی خوش آمدیدی مسکان، والدہ کا دعائیہ انداز، والد کا دعائے خیر دیتا الوادعی ہاتھ...... یاد آیا کہ کیسے سورج کا غروب انہیں بھی ہلکان نہ کرپاتا تھا اور رات کی تاریکی ان کی تھکان اُتار دیا کرتی تھی۔

وہ زندگی کی مسیحائی یاد کرنے لگے جو ہر زخم کی دوا رکھتی ہے اور اپنی سانسوں کی بے فکری جو سارے جہاں کی بے نیازی رکھا کرتی تھی۔ پھر انہیں زندگی کے وعدے یاد آئے جن کے ایفا ہونے تک انہیں زندہ رہنا تھا۔

لیکن......

سارے منظر دن کے تھے اور تاریکی سارے جہاں کی۔ ان کے شجاع دل، ان کے کمال ایمان، ان کے تفسیر اعمال، اس کلام سے بہرہ ور ہوئے جو انہوں نے اب تک سنا ہی نہیں تھا۔ وہ ایسی کیفیت سے گزرے، جس سے غار سے باہر نہیں گزر سکتے تھے۔

"اب صرف اللہ ہی ہمارا مددگار ہے دوستو......" اس حقیقت پر وہ سب متفق تھے۔

"اللہ...... اللہ...... اللہ......

"اس اللہ نے ہی تمہیں یہاں لا پھنسایا ہے، یہ تمہاری زندہ روحوں کی مردہ قبر ہے......"

بے آواز الفاظ کا، بے نشان کلام ان کے غار دلوں میں گونجا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ اندھیرے سے نمودار ہوا...... وہ جو ہر نفس کے ساتھ موجود ہے، اور ہر روح میں بے یقینی کا سوراخ کھود رہا ہے......

ابلیس...... اس کے وسوسوں کی کاری ضرب نے ان کے دل بکھیر دیے۔ پشت پر پڑنے والے وار نے ان کے یقین سمیت لینے چاہا ہے......

"یہ اللہ کا قہر ہے......" ایک نے کہا۔

دوسرا چونکا اور تیسرا بھی کیونکہ یہی خیال ان دونوں کو بھی آیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک شیطان سے اپنی اپنی جگہ پر ہم کلام تھا۔ یہ شر تب بھی ان سے ہم کلام ہوا تھا جب وہ دودھ کا پیالہ لے کر والد، والدہ کے سرہانے کھڑا تھا۔ ایک فرق چاول کے عوض، کئی گنا مال اسباب اٹھوا دینے کے طوفان میں گھرا تھا...... اور چچا زاد کے عشق میں دونوں جہاں لٹا دینے پر تیار تھا...... تب بھی...... یہی ان کی پشت پر کھڑا تھا۔ وقت انعام کا ہو، الہام کا یا امتحان کا شیطان وار کرنے میں دیر نہیں کرتا۔ جسے سب میسر ہوا سے فرعون، خالی ہاتھ کو چور، طاقت ور کو ظالم، اعلا کو مغرور اور ادنیٰ کو ناشکرا بنا ڈالتا ہے...... یہ شر دیر بھی نہیں کرتا......

"ہمارے پہاڑ گناہ...... ہماری سمندر کوتاہیاں......" ایک بڑبڑایا۔

"ہماری رائی نیکیاں......" دوسرے نے یاد دلانا چاہا۔

"رائی نیکیوں پر، یہ چٹان تمہارے سروں پر آگری ہے۔ ان نیکیوں کی مقبولیت کی یہی حیثیت ہے۔ تم اصحاب کہف نہیں ہو جو نیند سے بیداری پر نیا عہد پاؤ گے...... غار میں جانے والا ہر انسان "صحابی" نہیں ہوتا۔"

غار میں جانے والا ہر انسان صحابی (اللہ کا ساتھی) نہیں ہوتا......

لیکن......

اپنی رائی نیکیوں کی مقبولیت کا میزان ان کی روحوں میں ترازو ہو گیا۔ ان کی چٹان کوتاہیاں، ان کی نیکیوں کو بے حیثیت کرنے لگیں۔ انہیں شیطان کے طعنے برے لگے، انہیں ان وسوسوں سے

تکلیف پہنچی۔ ان کی حکمت ضعیف ہوئی، اور ان کے تدبر کے چراغ گل ہونے لگے۔ ان کی آنکھیں نم ہوئیں...... انہیں زندگی کی کیا پرواہ رہی ہوگی جو اس امر کی تھی کہ وہ اللہ کی توجہ کے نہیں، قہر کے مستحق ہیں۔ وہ اللہ کو پکارنے کے حق سے دستبردار نہیں ہونا چاہتے تھے...... رائی ہی سہی...... اللہ کے رحم سے معتبر اپنی نیکیوں کی مقبولیت، چٹان سے بلند چاہتے تھے......

گناہ پر توبہ مطلوب...... نیکی پہ پکار "مقبول"......

اگر ان کی رائی نیکیاں مقبول رہی ہیں تو اللہ کا رحم یہ چٹان پاش پاش کردے گا......

اگر...... اگر......

☆☆☆

مسافر کو یاد آیا رات کے بنا چراغ کے سیاہ کار ہونے سے پہلے......

بہت پہلے......

وہ حسین تھی اور اسے دنیا کی ہر شے سے زیادہ مطلوب تھی۔ اس عشق میں ہر پہلو سے اس کا دل اس پر فدا تھا۔ وہ جان عزیز تھی اور اس کے عین سامنے موجود تھی۔ بچازاد نے اپنے رخ کا نقاب نہیں الٹا تھا پھر بھی وہ اہرام حسن پر چمکتی کرنیں دیکھ سکتا تھا۔ قحط کی بدحالی، اسے اس کے پاس لے آئی تھی۔ اس کی کھال قحط سالی سے خاک ہونے کو تھی پھر بھی اس کا حسن آفریں تھا۔ اس کی پلکوں کی جنبش اس کے دل پر سوار کتاں تھی۔ وہ جب چاہتی اس کی لگامیں کھینچ کر اس پر حکم چلاتی، اسے غلام بنا ڈالتی......

وہ دن کی روشنی میں آئی تھی، وہ رات کے چراغ کی طرح اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے نشست پر بٹھانا چاہا کہ وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"تجھے ضرورت یہاں کھینچ لائی ہے۔" اس نے کتنی کمزوری اور بے بسی سے اپنا رخ پھیرا تھا۔

"میری ہر چیز حاضر ہے......"

وہ جانتا تھا، قحط نے کیا قہر ڈھایا ہے، ہر غیرت مند، ضرورت مند بن چکا تھا۔ وہ صاحب حیثیت تھا، اس کی کئی ضرورتیں پوری کرسکتا تھا...... لیکن......

بچازاد کی نظریں اس پر آکر ٹھہر گئیں۔ پھر بھی اس نے اپنا نقاب نہیں الٹا۔ وہ نشست گاہ کے کواڑ کی آڑ میں ایسے مسافر کی طرح کھڑی رہی، جس کی منزل...... نارسا ہو۔

"قحط نے ظلم ڈھایا......" کیا وہ اس ظلم کی بات کررہی تھی جس نے جسم سے جان کھینچ لی تھی اور روح سے ایمان؟

"مجھے خبر ہے......" کیا وہ اس قحط کی خبر رکھتا تھا جس نے اسے یہ قربت نصیب کی تھی اور اس پر عمل کی طاقت بھی؟

سکے اس کے حوالے کرتے ہوئے وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگانا ہی چاہتا تھا کہ وہ بدک کر پیچھے ہٹی اور لرزتے ہوئے کواڑ سے ٹکرا گئی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکے اور اس نے جھٹکے سے آزاد کروالیا۔ ہاتھ کو سکوں کے بوجھ سے...... خود کو گناہ کی ترغیب سے......

ایسے منتشر ہنگامے پر بھی وہ اس کے قریب آیا، لیکن وہ اتنی تیزی سے بھاگی کہ اس کی چادر، اس کے سر سے پھسل کر گر گئی۔ وہ اس شدت سے اس کی طلب نہ رکھتا تو خیرات کردیتا۔ عمل میں نیت کے بیج کی طرح، اس کا ارادہ چٹان رہا۔ وہ ہدایت کی بینائی سے محروم ہوکر، عشق کی طلب میں کامل اندھا ہوچکا تھا۔ ایمان کی سرزمین کا سورج، بے ہدایتی کی سمت غروب ہورہا تھا......

"میرے بچے بھوک سے مر رہے ہیں، میں اپنی جان لٹانے کے لیے تیار ہوں......"

وہ اتنی بے بس تھی کہ اسی کے پاس دوبارہ آنے پر مجبور ہوئی تھی۔ جان کا واسطہ دے کر جان سے پیاروں کی جان بچانے آئی تھی۔ عورت ماں بن جائے تو اپنا دل اولاد میں تقسیم کردیتی ہے۔ چوٹ اولاد کو پہنچتی ہے، تکلیف ماں کا دل سہتا ہے۔

”تمہاری جان مجھے عزیز ہے اور تم بھی......“

وہ اس سے تجارت نہیں کر رہا تھا، وہ تو عشق کے عہد کی پاس داری چاہتا تھا...... چاہت...... وہ اس کی تکمیل کی طاقت رکھتا تھا۔ وہ باثر تھا، اور اتنی دولت رکھتا تھا کہ عشق کی محراب پر گری زنجیریں اپنی ہتھیلیوں سے سمیٹ سکے۔ وہ سب کچھ اس جان عزیز کے قدموں میں نچھاور کر دینے کے لیے تیار تھا، لیکن اس کے بدلے میں وہ بھی کچھ چاہتا تھا۔ وہ مجبور آئی تھی، مجبور ہی واپس چلی گئی۔ جان بچاتے بچاتے وہ ایمان کیسے جانے دیتی......

لیکن......

اگلی بار وہ اتنی مجبور ہو کر آئی کہ چادر سر سے ڈھلکی تھی اور شانے کی ہڈی دکھائی دیتی تھی۔ اس کی سسکی غار میں صاف سنائی دی تھی۔ وہ ماں تھی، بھوک سے بلکتے بچوں کے لیے اپنی حیا کی تجارت کرنے آ گئی تھی۔ وہ اس پر ہزار جان سے فدا تھا، اس تجارت پر حکمران بن بیٹھا تھا۔ رات کے سب چراغ گل کر دیے، اور طاق پر رکھا صرف ایک چراغ اپنی بینائی پر پشیمان رہا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی ساری طاقت ایک خواہش کے قدموں میں تڑپ رہی ہے۔ مسافر کی انگلیاں اس کی گردن سے شانے کی ہڈی پر پھسل رہی تھیں۔

ہر عمل ہلکا تھا...... ہر جنبش شرم و حیا سے مبرا تھی...... ایک صرف چچازاد کی آنکھ کا آنسو بوجھل تھا۔ اس نے ڈھلکی ہوئی چادر کو ڈھلکا رہنے دیا۔ اپنا دل تقسیم کر چکی ماں، اپنا ایمان منتشر کر دینے پر کپکپا رہی تھی......

”تمہیں کیا ہوا......؟“

”میں اللہ سے اس حیا کے لیے ڈرتی ہوں...... تم بھی ڈرو......“

وہ اللہ کے خوف میں اب تک بینا تھی۔ وہ اللہ کے بندے کے عشق میں اب تک اندھا تھا۔ اس کے شانے پر رکھا ہاتھ ”میخ“ ہوا۔ جہاں تھا وہیں ثابت رہا۔ اس ہاتھ کی میخ کو وہاں سے اکھاڑ لینا بڑا معرکہ تھا۔ چراغ گل تھے، محبوب پاس تھا، اس کے قرب سے رخ موڑ لینا جرأت طلب تھا۔ اس کے لیے چٹان طاقت چاہیے تھی۔ اس کے لیے ایمان سمندر درکار تھا۔

اس کے لیے اللہ کا خوف مطلوب تھا......

اللہ کا خوف غار کے اندھیرے میں ”چراغ“ ہوا...... مسافر نے چچازاد کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا۔ اس کے شانے پر گڑا اپنا ہاتھ پورا ایمان لگا کر اکھاڑ لیا۔

”تم مجبور ہو کر اللہ ڈرتی ہو، اور میں باثر ہو کر بھی نہیں ڈرا......“

مسافر نے طاق کی طرف اشارہ کیا۔ ”جو لینا ہے لے جاؤ اور جاؤ...... جس سے تم نے خوف کھایا، اس اللہ سے میں بھی ڈرا۔ جس سے تمہیں حیا آئی، اس سے میں نے بھی شرم کی......“

اس نے اللہ سے خوف کھایا، اپنا عمل مقبول ٹھہرا لیا......

”اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو اس وقت قابو میں کیا جس وقت وہ منہ زور تھا۔ بعض لوگ عافیت کے لیے اطاعت کرتے ہیں، میں نے عافیت کے لیے نہیں، تیرے لیے اطاعت کی...... میں نے تجھ سے شرم کی۔ میں نے گناہ پر اپنے اختیار کو سلب (ختم) کیا، آج تو ہماری مصیبت سلب کر...... تیری بڑائی اور بزرگی پر اپنی طلب کو چھوڑا، آج تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ...... اس لمحے میں نے تیرا خوف کھایا، اے میرے پروردگار! آج تو مجھ پر رحم کھا...... اس پتھر کو گرا دے کہ نیکی رائی ہو یا پہاڑ، وہ تیرے حضور مقبول ہو کر اتنی طاقت رکھتی ہے کہ ایسے پتھر پاش پاش کر دیتی ہے۔ میں نے تاریکی میں تجھے سامنے پایا اور اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے...... آج میں تیرے حضور آیا ہوں، اپنی رحمت کو میری طرف پیش قدمی کرنے دے۔ تیری عظمت کو میری اطاعت کی ضرورت نہیں، تو بے نیاز ہے، تیرے خوف سے میں نے خود کو

روکا...... آج تو اپنے رحم کو ہم تک آنے سے نہ روک......"

اس کے رب کے رحم نے جوش مارا...... پتھر اپنی جگہ سے کھسک گیا......

تاریکی نے اپنا کلام بدل دیا، اب اس کے الفاظ روشن تھے، اور اس کی تختی پر ایک تحریر نمایاں تھی......

جس نے اللہ کا خوف کھایا، اللہ کے رحم کا انعام پایا......

اور......

غار میں جانے والا ہر انسان صحابی نہیں ہوتا، لیکن وہ جو اللہ سے شرم کرے، اس کا خوف رکھے، گناہ کی طاقت پر بھی گناہ سے بچے، اور جو عافیت کے لیے نہیں "اطاعت" کے لیے بندگی کرے...... وہ صحابی بن کر ضرور نکلتا ہے......

کیونکہ......

زندگی کے غار میں، اعمال کے چراغوں میں، سب سے روشن چراغ "اللہ کے خوف" کا ہے۔

☆☆☆

اہل غار کو آسمان کا کنارا نصیب ہو چکا تھا...... اب وہ اسے دیکھ سکتے تھے۔ پتھر درز بن چکا تھا لیکن "درز" بننے سے دور تھا۔ رات اپنا پہر بدل رہی تھی۔ دل اپنا میزان، روح اپنا مقام...... ارادہ اپنی راہ اور شیطان اپنی چال......

"زندگی کی جھلک دکھا کر، زندگی کھینچ لینا قہر کی سب سے بڑی نشانی ہے......" دکھائی دینے والے آسمان کی طرف اشارہ کر کے ابلیس کہہ رہا تھا۔

دکھائی دینے والا آسمان...... اس کا ایک کنارا قہر ہو سکتا ہے، سارا آسمان "رحم" سے بھرا کیسے ہو سکتا ہے؟ رحم کے طلب گار مسافروں میں سے ایک مسافر نے پتھر کی طاقت کو اس طاقت سے منتشر کرنا چاہا، جس طاقت سے اس نے رات کا سفر کاٹا تھا اور اس عبادت کو پایا تھا جو بوڑھے والدین کے صدقے اسے نصیب ہوئی تھی......

"والدہ رات کی دعائیں پڑھے بغیر نہیں سوئی ہوں گی۔" وہ مسکرایا تھا لیکن اسے رونا بھی آیا تھا کہ کیا آج والدہ سفر خیر کی دعا دیے بغیر سوئی ہوں گی۔ کیا کسی وجہ سے وہ اس سے ناراض رہی ہیں۔

"دنیا میں دو ہی پھول ایسے ہیں جو کبھی نہیں مرجھاتے...... ماں اور باپ...... اور یہی وہ پھول ہیں جن کی خوشبوئیں ہمیشہ اولاد کی روحیں معطر رکھتی ہیں۔ میں نے والدین کی فرماں برداری کرنے کی اپنی سی کوشش کی، جو مجھ پر بوجھ نہیں بنی بلکہ مجھے عزیز رہی۔ میرا جہاں میری والدہ اور میری حیات والد ہیں۔ جس مشقت سے انہوں نے میری پرورش کی، اس محبت سے میں ان کی خدمت نہیں کر سکا۔ میں وہ حق بھی نہیں ادا کر سکا جو اولاد ہو کر، والدین کا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اپنے گناہ یاد آتے ہیں اور جب ان کے بوجھ سے میرا دل بوجھل ہو جاتا ہے تو والدہ کی صورت دکھائی دیتی ہے، جیسے اپنا رخ دکھا کر مجھے ڈھارس دیتی ہوں۔ آخرت کا حساب انصاف پر مبنی ہے، لیکن مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ والدہ، مجھے لیے بغیر جنت میں نہیں جائیں گی، وہ اللہ سے ضد ضرور کریں گی۔"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور......

اس کے ماں باپ بوڑھے اور ضعیف تھے۔ بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ بیوی تھی۔ وہ بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا جب وہ شام کے قریب چرا کر لاتا تھا تو ان کا دودھ دوہتا تھا۔ پہلے ماں، باپ سے شروع کرتا تھا تو اور ان کو اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا۔ ایک دن چارہ بہت دور ملا۔ گھر پہنچتے پہنچتے رات کے چراغ طاقوں پر جلتے ہوئے ملے۔ بچے بھوکے تھے، اس کے انتظار میں تھے، بیوی بھوکے بچوں کو سنبھالنے میں ہلکان تھی، پریشان تھی۔ وہ سخت پشیمان ہوا۔ اس رات ہر فرد بے قرار تھا، کچھ بھوک سے، کچھ انتظار کی تکلیف سے......

وہ جلدی جلدی بکریوں کا دودھ دوہ کر، پیالہ والد، والدہ کے پاس لایا، لیکن وہ دونوں سو چکے تھے۔

اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ دونوں سو گئے۔ اس کے دل پر قطرہ قطرہ افسوس برس رہا تھا۔ وہ وقت کا حساب کر رہا تھا کہ کہاں دیر ہوئی۔ کیا صبح بیداری میں؟ یا شام واپسی میں؟ کیا اس نے سستی دکھائی اور غفلت کا مظاہرہ کیا۔ جب وہ چھوٹا تھا تو اس سے پہلے کہ بھوک سے بلک بلک کر روتا، والدہ پہلے ہی دودھ پلا دیا کرتی تھیں، یہ وصف اس نے کیوں نہیں اپنایا۔

دودھ کا پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا...... دودھ پینے والے دونوں سو چکے تھے...... اسے برا لگا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلائے۔ بچے بھوک کے مارے شور کرتے تھے، اس کے پیروں سے لپٹتے تھے، اس نے نہ خود پیا نہ بچوں کو پلایا۔

جنگل بیابانوں میں رزق کی تلاش میں، اس نے ہمیشہ والدہ کی دعاؤں کے معجزوں کو زندہ پایا۔ گھنے جنگل گلستاں بنتے رہے، اس کے لیے رزق کا اہتمام کرتے رہے، پھر اس سے دیر کہاں ہوئی...... والد کا چہرہ کیسے ضعیف اور لاغر تھا۔ وہ سخت جاں تھے اور دانہ دانہ رزق اکٹھا کیا کرتے تھے۔ اسے سینے سے لگاتے، شانوں پر اٹھاتے، اس کی تکلیفوں پر لپکتے، اس کے لیے اللہ سے ہر نعمت مانگ لاتے......

پیالہ ہاتھ میں لے کر وہ ان کے سرہانے کھڑا رہا...... کھڑا رہا کہ اولاد کی محبت تو دودھ کے ایک قطرے کے برابر نہیں اور والدہ کی محبت دو جہاں ہے...... والد کی شفقت، ایسے جیسے اللہ مہرباں ہے......

وہ کھڑا رہا...... مشرق و مغرب کے ان کناروں پر جو گواہ ہیں کہ جنت میں پہلا رشتہ میاں بیوی کا بنا، اور زمین والوں کو اولین رحم "ماں باپ" کی صورت نصیب ہوا۔ رات کی بیداری میں ماں ہمیشہ متوجہ ملی۔ طبیعت کی خرابی میں، وہ سرہانے جمی رہی۔ والدہ کے چہرے کی ساری جھریاں، اس کی جوانی میں ڈھلی تھیں۔ ان کی جان، اس کی سلامتی میں اٹکی تھی۔ وہ اس ماں کے دل تک رسائی نہیں رکھتا تھا، جس کی روح، اس سے محبت میں شاد تھی، لیکن وہ اس کی خدمت تک رسائی رکھنا چاہتا تھا۔

"والدہ......"

دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لے کر وہ موجود رہا اور یہ جان گیا کہ زمین پر فرشتوں کی پسندیدہ جگہ، ماں کے قدموں تلے کی خاک ہوگی۔

اس نے سوچا کہ رحمت کے فرشتے ماں کے قریب سے گزرنا پسند کرتے ہوں گے جس کا دل محبت سے لبریز رہتا ہے اور جس کے لب دعا دیتے نہیں تھکتے۔ یہ دل اللہ کے رحم کا وسیلہ اور اس کے قہر میں رکاوٹ بنتا ہوگا۔

اس نے اس دل کے سرہانے کھڑا ہو کر عبادت کرنا فرض جانا......

"اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے والدہ، والد سے بڑھ کر کسی کو محبوب نہیں پایا، انہیں اپنا محبوب بنایا، ان کی خدمت کی، ان سے محبت کا دعوا کرنا چاہا...... وہ مجھ سے محبت میں آگے رہے، وہ مجھے نفع پہنچانے میں اولین رہے...... میں کبھی ان کا حق نہیں چکا سکتا، لیکن ایک دن میں نے محبت کے دعوے کو سچ کر دکھانے کی جرات کی، میں اس وقت تک ان کے سرہانے موجود رہا جب تک وہ نیند سے بیدار نہیں ہو گئے، میں اس وقت تک خود بھی بھوکا رہا اور اپنے بیوی بچوں کو بھی رکھا جس وقت تک دونوں نے دودھ کے پیالوں کو لبوں سے نہیں لگا لیا۔ اے میرے رب! میں عاجز اور گناہ گار انسان ہوں، لیکن اپنے والدین کو نیند سے بیدار کرنا مجھ پر گراں رہا، ان سے پہلے اپنا پیٹ بھر لینا مجھے گناہ لگا...... میں اس حق سے دور رہا کہ انہیں جگا دوں، اور اس شفقت پر قائم رہا کہ ساری رات انہیں دیکھتے، ان کے انتظار میں موجود رہوں۔ اے پاک ذات! میں نے اس دل کی قدر کی، جس میں تو نے اپنا رحم رکھا...... ماں کی......

اسلام علیکم!
ہمیں اپنے Blog Kitabdost
http://kitabdostpk.blogspot.be
اور readingpoint
http://readingpointpk.blogspot.be
کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز
لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ
ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)
اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں
maisrasultan@gmail.com
فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

میں نے اس سے عقیدت کی، جس میں تو نے شفقت رکھی...... والد کی...... اے میرے رب! میں نے والدین سے محبت کی۔ یہ عبادت میں نے تیرے لیے کی کہ تو راضی رہے۔ مجھ سے بھی اور میرے والدین سے بھی اور اگر تو میرے اس عمل سے راضی ہوا، یہ عبادت تیری بارگاہ میں مقبول ہوئی ہے، تو اس پتھر کو ہمارے راستے سے ہٹا دے۔"

والدین سے محبت کی عبادت، دونوں جہاں میں مقبول رہتی ہے...... پتھر اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکا......

اور......

غار میں جانے والا ہر انسان صحابی نہیں ہوتا، لیکن وہ جو محبت سے لبریز دل سے محبت کرے...... ماں سے اور باپ سے...... ان کی قدر شناسی کی عبادت کرے، اور ان کے سرہانے عقیدت کا پیالہ لے کر کھڑا رہے......

☆☆☆

غار زمین پر قائم رہا، چٹان کا پتھر اس کے دہن پر اور آسمان ان سب پر......

سر کو نیچے جھکا کر منتشر آسمانی شعلے دکھائی دیتے تھے، لیکن وہ وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ تینوں نے مل کر ایک بار پھر پتھر پر قوت لگائی تھی لیکن پتھر اپنی جگہ سے سہم پارہ نہیں ہلا تھا۔ دو مسافر جو اپنی کیفیات بیان کر چکے تھے۔ اپنی نیکیوں کے اسم اعظم سے اپنے رب کو پکار چکے تھے، اب وہ عجز کی مشقت میں مشغول تھے۔ ابلیس انہیں تکبر کی طرف راغب کرنے میں مشغول تھا۔ ان کی نیکیوں اور ان کی مقبولیت پر وہ انہیں فرعون بنا ڈالنا چاہتا تھا۔ تیسرا مسافر خاموش تھا...... اسے وہ ضعیف مزدور یاد آتا تھا جس پر اس نے اپنی نیت کا پھل ظاہر کیا تھا......

وہ......

جس کی آنکھیں تند تھیں اور جو غصے میں تھا۔ اسے تیز تیز بولنے میں عار نہیں تھا۔

"یہ نصف دن مزدوری کے لیے آیا ہے، اسے میرے برابر اجرت نہیں دی جا سکتی۔" وہ اس مزدور کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا جو دن چڑھے مزدوری کے لیے آیا تھا اور پوری اجرت لے رہا تھا۔

"بھلے انسان! بے شک یہ انسان نصف النہار پر آیا تھا اور میں نے اسے کام سے لگا بھی لیا تھا، پر یہ طے تھا کہ اسے نصف اجرت ہی دوں گا۔ لیکن اس نے نصف دن میں اتنا کام کیا، جو دوسروں نے پورے دن میں کیا۔ اس نے اپنے کام میں پوری محنت کی، تو میں اس کی اجرت دینے میں زیادتی کیوں کروں۔ میں اسے اس کا پورا حق دے رہا ہوں۔"

"تم ظلم کر رہے ہو......"

"یہ ظلم نہیں انصاف ہے، میں تمہیں تمہاری پوری اجرت دے رہا ہوں، تم کسی دوسرے کی اجرت کی فکر نہ کرو۔"

"تم ناانصاف ہو...... اگر عہد کے پاس دار ہو تو پھر تمہیں اللہ آزمائے......"

"اللہ کی آزمائش تک بات کیوں لے کر جاتے ہو، اپنی پوری اجرت لو اور جاؤ......"

لیکن وہ اپنی اجرت اور اس کا امتحان چھوڑ کر چلا گیا۔ ایک وقت تک یہ اجرت امانت رکھی رہی۔ پھر ایک دن اس سے ایک بچھڑا خرید لیا گیا۔ بچھڑے سے نسل بڑھی اور مال مویشیوں میں اتنی برکت ہوئی کہ چرواہا رکھنا ضروری ہو گیا۔ گائیں، بیل، بکریوں اور اونٹوں کے لین دین سے تجارت ہوئی، فصلیں کھڑی ہوئیں، اناج کے ڈھیر لگے، خادم اور ضرورت کی اشیاء آ گئیں۔ ایک فرق اجرت میں خیر و برکت بڑھتی رہی...... وہ اتنی بڑھ گئی کہ ایک دن اس کے لیے آزمائش بن کر چٹان کی طرح کھڑی ہو گئی......

"اللہ سے ڈرو اور مجھے میری اجرت لوٹا دے، میں ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔" دن کی روشنی میں آنے والا مزدور لاغر اور ضعیف ہو چکا تھا کہ اس کی پیشانی کے بل ختم ہو چکے تھے۔

"تمہاری اجرت؟" مسافر اس سے نہیں خود

سے پوچھ رہا تھا کہ اس کی اجرت در اصل ہے کہاں؟

"ہاں...... وہ تجھ پر بھاری ہے...... مجھے لوٹا دے......"

وہ مسافر پر بھاری تھی...... بہت بھاری تھی......

حق، اس دنیا کے ہر مسافر پر بھاری ہوتا ہے۔ ایک فرق چاول، پہاڑ اجرت بن چکی تھی، اسے چکانا آسان نہیں رہا تھا۔ مسافر نے مزدور کی طرف دیکھا اور یہ جانا کہ وہ اسے کھیتی میں جوت کر اب فصل لینے آ گیا تھا۔ ایک فرق چاول پر وہ اس کی جنت لینے آیا تھا۔ یہ اس کی ناراضی کا قصور تھا یا اس کی نیک دلی کا کہ اپنی ہی اجرت، اس کے نفس پر چٹان کی طرح وزنی تھی۔ جانوروں میں کئی جانور اس کے دل کے قریب ہو چکے تھے۔ کھڑی فصلوں میں اس نے حیات آفریں سانسیں لی تھیں۔ اناج کی خوشبو اس کی شان پر چاند تھی۔ ہر شے اس کے مقام و مرتبے کو بلند کر رہی تھی۔

"یہ اپنی اجرت خود چھوڑ کر گیا تھا، کہہ دو کہ تم اسے نہیں پہچانتے......" دن کی روشنی میں ابلیس کی چال نے راہ نکال لی تھی، یہ وہی آواز تھی جو غار میں سنائی دیتی تھی۔

"میں تمہیں اور تمہاری اجرت دونوں کو پہچانتا ہوں......" مسافر نے عجلت سے کہا۔

"جو اجرت طے پائی تھی، وہ اس کے حوالے کرو اور اسے چلتا کرو۔ مزدور تمہاری نیت کے عمل سے لاعلم ہے، یہ نہیں جانتا کہ اجرت پھل پھول کر مال مویشی اور اناج کے ڈھیر میں بدل چکی ہے۔ تمہاری محنت و مشقت، توجہ اور ارادے نے بیج کو انبار میں بدل دیا ہے، اس کا حصہ صرف اجرت ہے، باقی سب تمہارا ہے......"

مسافر نے مزدور کے لاغر پن کی طرف دیکھا، وہ ضعیف تھا۔ غربت اور بڑھاپا دونوں قیامت ڈھاتے ہیں۔ مسافر اسے جھڑک کر بھگا سکتا تھا۔ وہ ایک فرق اجرت بھی نہ دیتا تو وہ کیا کر لیتا...... کمزور سے چھین لینا آسان اور اسے "دے دینا" مشکل ہوتا ہے۔ جبکہ نہ عہد ہو، نہ گواہ، نہ زبان اور نہ زمانے کی تکرار...... جب سب لاعلم ہوں اور صرف "ایک" کو خبر ہو تو اس "ایک" کے لیے حق پر اقامت بڑا معرکہ ہے......

وہ مزدور...... یہ مسافر......

وہ ایک فرق اجرت کا تقاضا رکھتا تھا، یہ ایک فرق اجرت پر ایک زمانہ کمر بستہ رہا تھا۔ مسافر نے آسمان کی خیر و برکت کو مزدور کی اجرت میں سمٹا ہوا پایا۔ سارا جہاں اس میں مقید ہوتا دیکھا۔ دور تک جنگلی فصلیں، اور شور کرتے جانور، اس ایک فرق میں کیسے سمٹ گئے۔ اس کی جنت اور اس کے دل کا سکون بھی......

"یہ تمہارا کمال ہے کہ تم نے چند دانوں کو اپنی محنت و مشقت، حکمت و تدبیر سے انبار میں بدل دیا۔ وہ انبار تمہارا ہے، مزدور اس پر کوئی حق نہیں رکھتا...... مزدور اس سے لاعلم بھی تو ہے......"

مزدور لاعلم تھا...... لیکن جو علم رکھتا تھا وہ؟ اس کی مزدوری کے کھلنے پھولنے کا کوئی گواہ نہیں تھا اور جو گواہ تھا وہ......؟

"میری اجرت تم پر بھاری ہے...... مجھے لوٹا دو......" مسافر کو گم صم دیکھ کر مزدور نے پھر درخواست کی۔

اس کی زبان، اس پتھر کی طرح بھاری تھی جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا۔ حق لینا آسان اور دینا مشکل ہے۔ حق کے لیے لڑنا سہل اور اسی حق کے لیے نفس کو کچل دینا مشکل ترین ہے۔ ایک دانے کے بدلے میں سارا جہاں اٹھوا دینا، بڑا بھاری ہے۔ بھاری ہی وہ نفس ہے، جو انسان کی عظمت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ چٹان ہے وہ انسان جو حق کی تقسیم پر قائم ہے، راکھ ہے وہ انسان جو "حق" کی پہچان پر قائم ہے مگر اس کی تقسیم پر......

مسافر نے اپنی نظر کو آسمان کی سمت بلند کیا، وہ جانتا تھا کہ بس ایک گواہ ہے، اور وہ وہاں ہے...... اور اس کے لیے...... صرف اس رب کے لیے، مسافر

نے خادم کو آواز دینے کے بجائے، مزدور کا ہاتھ پکڑا اور اسے مویشیوں کے باڑے کی طرف لے آیا۔

''یہ ہے تمہاری اجرت...... یہ سب تمہارے ہیں......''

اور پھر اس نے اناج کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔'' اور یہ بھی...... اور پھر چند اشیاء کی سمت......'' اور یہ بھی...... یہ سب تمہارا ہے، ان پر صرف تمہارا ''حق'' ہے......''

مزدور کی پیشانی کے بل خائف ہوئے۔

''غریب آدمی کا مذاق اڑاتے ہوئے تجھے شرم آنی چاہیے۔ اللہ سے ڈر......''

''اللہ سے ہی ڈرا ہوں، وہ میرے عمل کا گواہ ہے...... ایک صرف وہی گواہ ہے...... کوئی انسان گواہ ہوتا تو شاید میں مکر جاتا، اب کیسے مکروں۔ تمہاری اجرت سے میں نے ایک بچھڑا خریدا، اس کی نسل بڑھتی رہی، ان کی تجارت سے نفع پایا، یہ اشیاء اور یہ اناج کمایا۔ یہ گائیں، بیل، بکریاں، اونٹ، مال اسباب اور اناج، یہ سب تمہاری اجرت کا نفع ہے، انہیں لے جاؤ اور میرے اعمال کھوٹے ہونے سے بچا لو...... یہ سب رکھ لیا تو سب کھو دوں گا...... اپنا رب کھو دوں گا......''

''لیکن عمل تمہارا تھا، محنت اور نگرانی تمہاری تھی، ایک فرق چاول کونے میں پڑے رہتے تو یہ سب کیسے حاصل ہوتا۔ اس سب پر صرف تمہارا حق ہے......'' یہ آواز اس کے دل میں گونجتی رہی۔

''میں نے ہر شے پر اپنا حق ضبط کیا، جلدی کرو، یہ سب لے جاؤ...... جلدی کرو......''

مزدور نے دیر نہیں کی اور وہ ایک ایک دانہ اٹھا کر لے گیا۔ ایک ایک جانور ہانک لیا۔ ایک فرق چاول میں وہ اس کا جہاں لے گیا...... اسے دو جہاں کا حق دار چھوڑ گیا...... مسافر کی آنکھیں نم تھیں۔ عمل کی حدت نے اس کی روح کو پرنم کر دیا تھا۔ وہ آبدیدہ تھا، اس لیے کہ اس نے سب دے کر سب پا لیا تھا۔

''میں نے دنیا کے مال سے رخ موڑ کر تیری محبت کی طرف رخ پھیرا تھا میرے رب! آج تو میری مصیبت کا رخ پھیر دے، میری یہ نیکی صرف تیرے لیے تھی، تیری محبت کے لیے، میں نے خالی ہاتھ ہونا پسند کیا لیکن تیری رضا سے خالی دل نہیں، میں نے اسے سب لے جانے دیا، لیکن اپنے ایمان کو پیچھے بچا لیا، آج تو مجھے بچا لے......

ایک فرق اجرت پر سب دے کر میں نے تیری محبت پالی۔ میرا یہ عمل میری طاقت کی آزمائش تھا، وسوسے مجھے بہکاتے تھے، میرا دل دنیا کی طرف کھنچتا تھا لیکن میں نے اپنے نفس کی لگامیں کھینچ کر انہیں تیری محبت کی سمت موڑ دیا، اے میرے رب! اس عمل نے مجھے کمزور کرنا چاہا لیکن میں نے کمزور ارادے پر غلبہ پا لیا، ایمان کی طاقت سے اسے پچھاڑ دیا...... آج تو اس مصیبت کو پچھاڑ دے۔

جس عمل میں جتنی مشکل درپیش ہو، اس پر اتنی ہی بڑی آسانی نصیب ہوتی ہے، یہ رکاوٹ ہٹا کر مجھے وہ آسانی عطا کر۔ ایک فرق اجرت پر مزدور کو سب لے جانے دینے کی طاقت رکھتا ہوں، میرے رب تو اس سے کہیں زیادہ عظیم طاقت کا مالک ہے...... تو اس چٹان کو غار سے ہٹا کر میری عاجز نیکی پر، اپنی محبت کا بلند اجر دے...... اس جہاں کے مسافروں کو، ہر جہاں میں اپنے قرب کی منزل دے......''

غار کے صحابی کو اس کے رب کا قرب نصیب رہا۔ پتھر اپنی جگہ قائم نہ رہ سکا، وہ لڑھکڑا کر نیچے جا گرا۔ غار کا دہن صبح صادق کی روشنی سے منور ہو گیا۔ رب کو ساتھی مان کر کون اکیلا رہا ہے......

کہ......

زندگی کے غار میں، اعمال کے چراغوں میں، سب سے بلند چراغ ''حق'' کا ہے......

اور......

اللہ کی قربت کا اسم ''نیک عمل'' ہے، اور یہی اسم اعظم......

☆